Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 5, Issue 2
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ایاز علی جراح
لیکچرار، شعبہ اردو شہید بے نظیر بھٹو یونیورسٹی، شہید بے نظیر آباد
ڈاکٹر شذرہ حسین
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی جام شورو
پرویز احمد
اسٹنٹ پرفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج، کنڈیارو

انقلابی شاعر: حبیب جالبؔ

Ayaz Ali jarah
Lecturer, Department of Urdu, Shaeed Banazir Bhuto University, Shaheed Benazir Abad
Dr. Shazra Hussain
Associate Professor, Department of Urdu, University of Sindh, Jamshoro
Perwaiz Ahmed
Assistant Professor, Department of Urdu, Government Degree College Kandiaro

Habib Jalib:A Revolutionary Poet

Habib Jalib, a renowned Pakistani poet, was born on March 24, 1928, in the village of Miani Afghan, District Hoshiarpur. His loving father, Sufi Inayatullah Khan, was a pious and devout individual, while his beloved mother, Mohtarma Rabia Basri, inculcated religious values and simplicity in her children.Jalib's captivation with poetry started in 1942, when he had recited his first poetry during Jamat-e-Haftam examination. This marked the inauguration of his literary flight, which would finally guide him to raise a noticeable revolutionary poet. In 1948, Jalib Sahib started contributing to Karachi's poetic festivals, under his pen names “Habib Ahmed Mast” and “Mast Mianvi.” His association in these festivals wired his literary distinctiveness, making his poetry widespread among the masses. Jalib's first book, "Barg-e-Awara," was published in 1957 by Maktaba Karwan Lahore. This marked a noteworthy landmark in his poetic journey, making him respect in literary circles. In 1964, Jalib Sahib reinforced Fatima Jinnah’s presidential movement against General Ayub Khan. Through his influential poetry and slogans, he encouraged public emotions, becoming a voice honesty and truth. Jalib's second book, "Sar-e-Maqtal," was printed in 1966, attaining extraordinary success. Four versions were published within a month, congealing his spot as a projecting poet. Throughout his life, Jalib Sahib remained dedicated to social activism and justice. He challenged in the 1970’s election of Punjab Assembly and continued to nurture his voices against social injustices and imperialism through his public speeches and his powerful poetry.

Key words: Habib Jalib, Barg-e-Awara, Fatima Jinnah, Sar-e-Maqtal, Activism, justice

حبیب جالبؔ، جن کا اصل نام حبیب احمد تھا، ۲۴ مارچ ۱۹۲۸ء کو ضلع ہوشیار پور کے گاؤں میانی افغاناں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام صوفی عنایت اللہ خان تھا، جو دین دار شخصیت تھے، جبکہ ان کی والدہ محترمہ رابعہ بصری تھیں، جنھوں نے اپنی اولاد کی تربیت میں دینداری اور سادگی کو مرکزی حیثیت دی۔ حبیب جالبؔ کے خاندان میں بہن بھائیوں

کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ ان کے بہن بھائیوں میں مشتاق حسین مبارک، رشیدہ بیگم، عبدالحمید خان، اور سعید پرویز شامل تھے۔

حبیب جالبؔ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۰ء تک وہ اس اسکول میں زیر تعلیم رہے۔ دینی تعلیم کے لیے انھوں نے مولانا غلام رسول عالم پوری کے شاگرد عیسیٰ مہر سے قرآن شریف پڑھا۔ مولانا غلام رسول عالم پوری کو ان کے علمی کام، خاص طور پر "یوسف زلیخا" جیسی تصانیف کے لیے جانا جاتا ہے۔ اس دور میں حبیب جالبؔ کی علمی بنیاد مضبوط ہوئی اور ان میں علم و ادب کی دلچسپی پیدا ہوئی۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۷ء تک، حبیب جالبؔ نے اپنی ثانوی تعلیم جاری رکھی۔ حبیب جالبؔ نے پہلی بار شاعری کا ذوق ۱۹۴۲ء میں محسوس کیا۔ جماعت ہفتم کے امتحانات کے دوران انھوں نے اپنا پہلا شعر کہا۔ یہی وہ وقت تھا جب ان کے اندر ایک حساس شاعر اور ادب سے محبت کرنے والا شخص جنم لے رہا تھا۔ ان کا یہ ابتدائی ادبی تجربہ ان کے شعری سفر کا آغاز تھا، جو بعد میں ایک انقلابی شاعر کے طور پر سامنے آیا۔

حبیب جالبؔ نے ابتدائی زندگی میں تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تجربات بھی کیے۔ ۱۹۴۵ء میں، جب وہ طالب علم تھے، دوسری جنگ عظیم کا زمانہ چل رہا تھا۔ اس وقت انھوں نے اسکول کے بعد فوجی بارکوں میں کام کرنا شروع کیا، جہاں بچوں کا کام چنوں کو تھیلوں میں بھرنا تھا۔ سو تھیلیاں بھرنے کی مزدوری کے بدلے بارہ آنے ملا کرتے تھے۔ یہ چھوٹا سا کام انھیں خود کفالت کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ گھر کی مالی مدد کرنے کا ذریعہ بھی بنا۔ اسی دور میں ان کا ادبی ذوق مزید نکھرنے لگا۔ دہلی میں وہ مشاعروں میں شرکت کرتے اور حضرت سائلؔ اور حضرت بیخودؔ جیسے مشہور شعرا کو سنتے، جو غالبؔ اور داغؔ جیسے عظیم شعرا کے کلام سے واقف تھے۔ اس کے علاوہ، جراتؔ اور جگرؔ مراد آبادی جیسے شعرا کی تخلیقات بھی ان کے سامنے پیش کی گئیں، جنھوں نے ان کی شاعری کے معیار کو متاثر کیا۔ ان محافل میں شرکت سے جالبؔ صاحب کو نہ صرف شاعری کی باریکیوں کو سمجھنے کا موقع ملا بلکہ وہ اپنی شعری شناخت کے قریب بھی آنے لگے۔ اس زمانے میں، حبیب جالبؔ دہلی کے تیار پور علاقے میں رہائش پذیر تھے، جہاں مسلم لیگ کے جلسے اور اجتماعات ہوا کرتے تھے۔ ان جلسوں میں مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال کے کلام کی گونج سنائی دیتی تھی۔ جالبؔ صاحب نے بھی ان جلسوں میں نہ صرف شرکت کی بلکہ مولانا ظفر علی خان اور اقبال کے کلام کو پڑھ کر لوگوں کو متاثر کیا۔ نوجوانوں کو مسلم لیگ کی تحریک میں شامل کرنے کے لیے وہ ان جلسوں میں ایک اہم کردار ادا کرتے رہے۔

۱۹۴۵ء کے قریب ہی انھوں نے اپنا دوسرا شعر کہا، جو ان کی زندگی کی بدلتی ہوئی حساسیت اور شعری نکھار کی علامت تھا۔ ان کے اسکول کے سامنے ایک مسجد تھی، جہاں اساتذہ اور طلباء باجماعت نماز ادا کرتے اور دعا مانگتے تھے۔ انہی لمحوں سے متاثر ہو کر انھوں نے کہا:

؎ مدتیں ہو گئیں خطا کرتے شرم آتی ہے اب دعا کرتے (۱)

یہ دور ان کی عملی زندگی کے آغاز، ادبی ذوق کی نشوونما، اور تحریک پاکستان کے ساتھ ان کی وابستگی کا مظہر تھا۔ ان تمام تجربات نے جالبؔ صاحب کو ایک حساس اور باشعور شخصیت میں ڈھالا۔ قیام پاکستان کے بعد بڑے بھائی مشتاق مبارک کے ہمراہ کراچی ہجرت کی۔ یہ ان کے لیے ایک نیا آغاز تھا، جہاں انھوں نے زندگی کی سختیوں اور جدوجہد کا سامنا کیا۔ پاکستان پہنچنے کے بعد، ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء کے دوران، انھوں نے کراچی کی بندرگاہ پر مزدوری کی۔ یہ کام ان کی روزمرہ ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ تھا جسے انھوں نے دیانت داری اور استقامت کے ساتھ انجام دیا۔

۱۹۴۸ء میں جالبؔ صاحب نے شاعری کی دنیا میں باقاعدہ قدم رکھا۔ وہ کراچی کے مشاعروں میں شرکت کرنے لگے اور "حبیب احمد مست" اور "مست میانوی" تخلص استعمال کیا۔ ان مشاعروں میں شرکت سے ان کی ادبی شناخت مزید مضبوط ہوئی، اور ان کا کلام لوگوں میں مقبول ہونے لگا۔ یہ ان کے شاعری کے سفر کا ابتدائی لیکن اہم مرحلہ تھا۔ ۱۹۴۹ء میں، مشکل حالات کے باوجود، اپنی تعلیم کا دوبارہ آغاز کیا۔ وہ گورنمنٹ بوائز سیکنڈری اسکول جیکب لائن کراچی میں دہم جماعت میں داخل ہوئے۔ اس اسکول میں ان کے اساتذہ میں مشہور کالم نگار نصر اللہ خان اور اے۔ ٹی۔ چوہدری شامل تھے، جو روزنامہ "ڈان" سے وابستہ تھے۔ ان کے ہم جماعتوں میں جمیل نشتر بھی شامل تھے، جو سردار عبدالرب نشتر کے صاحبزادے تھے۔ تعلیمی ماحول اور اساتذہ کی صحبت نے ان کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالا اور ان کے ذہن کو وسیع کرنے میں مدد کی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ، جالبؔ صاحب نے روزنامہ "جنگ" اور "ڈان" میں بطور پروف ریڈر ملازمت بھی کی، تاہم یہ ملازمت چند ماہ تک ہی جاری رہی۔ ۱۹۵۲ء میں، وہ ہاری تحریک کا حصہ بن گئے، جس کی قیادت کامریڈ حیدر بخش جتوئی کر رہے تھے۔ یہ تحریک کسانوں کے حقوق کی حمایت میں تھی، اور جالبؔ صاحب اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے، کیونکہ وہ ہمیشہ مظلوموں کے ساتھ کھڑے ہونے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ اسی سال، وہ لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کی کوہ نور ٹیکسٹائل ملز میں ملازم ہوئے، لیکن جلد ہی انھیں برطرف کر دیا گیا۔ یہ واقعات ان کی زندگی کی جدوجہد کا ایک اور پہلو تھے، جس نے ان کے نظریات کو مزید مضبوط کیا اور انھیں عوام کے مسائل سے قریب تر کر دیا۔ ان کے یہ تجربات ان کی شاعری میں واضح طور پر نظر آتے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ناانصافی اور

ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے رہے۔ ان کی زندگی کے یہ ابتدائی سال ان کی جدوجہد، عزم اور انسان دوستی کے عکاس ہیں، جو بعد میں ان کے فن اور شخصیت کا نمایاں حصہ بنے۔ حبیب جالبؔ کی زندگی جدوجہد اور عوامی حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کی روشن مثال ہے۔ ۱۹۵۲ء میں کوہ نور ٹیکسٹائل ملز میں ملازمت کے دوران جالبؔ صاحب نے اپنی شاعری سے مزدوروں کے دل جیت لیے۔ مشاعروں میں انھوں نے یہ اشعار پڑھے:

شعر ہوتا ہے اب مہینوں میں　　زندگی ڈھل گئی مشینوں میں
پیار کی روشنی نہیں ملتی　　ان مکانوں میں، ان مکینوں میں (۲)

یہ اشعار مزدوروں کی حالت زار اور صنعتی زندگی کی بے روح حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔ تاہم، ان اشعار کے بعد انھیں ملازمت سے نکال دیا گیا، کیونکہ ان کا کلام مزدوروں کے حق میں آواز تھا جو مالکوں کو ناگوار گزری۔

۱۹۵۲ء میں پنجاب یونیورسٹی ہال لاہور میں مشاعرے کے دوران جگر مراد آبادی کی صدارت میں جالبؔ نے اپنی غزل پیش کی، جس پر جگرؔ نے بے پناہ داد دی اور کہا کہ اگر ہمارا زمانہ مئے نوشی کا ہوتا تو ہم جالبؔ کی غزل پر سر محفل رقص کرتے۔ یہ اعتراف جالبؔ کے فن کی عظمت کا گواہ ہے۔ ۱۹۵۳ء میں، انھوں نے ڈاکٹر عبادت بریلوی کے توسط سے اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لیا اور اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ ساتھ ہی روزنامہ "آفاق" میں بطور پروف ریڈر ملازمت اختیار کی، جہاں انھیں ۷۵ روپے ماہ وار تنخواہ ملتی تھی۔ ۱۹۵۴ء میں انھیں ہاری تحریک کا سرگرم کارکن ہونے کی وجہ سے کراچی میں گرفتار کیا گیا۔ یہ ان کی زندگی کی پہلی گرفتاری تھی، جو ان کی جدوجہد اور عوامی حقوق کے لیے قربانی کا آغاز تھی۔

۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۱ء کے درمیان، جالبؔ نے ہندوستان کے مختلف شہروں جیسے دہلی، بمبئی، حیدرآباد دکن، لکھنو، ناگپور، اور گوالیار کے مشاعروں میں شرکت کی۔ ان کی شاعری کا جادو سرحدوں کے پار بھی چھا گیا، اور لوگ ان کی عوامی آواز سے متاثر ہوتے رہے۔ ان کی یہ جدوجہد ان کی شخصیت اور فن کا ایک نمایاں پہلو ہے، جو مظلوموں کے حقوق کے لیے وقف رہا۔ ۱۹۵۶ء کا سال حبیب جالبؔ کی زندگی میں کئی اہم واقعات کا حامل تھا۔ ہندوستان کے مشاعروں میں شرکت کے دوران ان کے فن کا چرچا خوب ہوا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں ہونے والے ایک مشاعرے میں پنڈت نہرو کی خواہش پر جالبؔ صاحب نے اپنی مشہور غزل پیش کی:

محبت کی رنگینیاں چھوڑ آئے
ترے شہر میں اک جہاں چھوڑ آئے
پہاڑوں کی وہ مست وشاداب وادی
جہاں ہم دل نغمہ خواں چھوڑ آئے (۳)

یہ غزل مشاعرے میں نہ صرف پسند کی گئی بلکہ پنڈت نہرو کے پرائم منسٹر ہاؤس میں لگی ایک پینٹنگ، جو مہاجرین کی ہجرت کو ظاہر کرتی تھی، کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتی تھی۔ جالبؔ کی شاعری نے وہاں موجود سبھی دلوں کو چھو لیا اور انھیں خوب پذیرائی ملی۔ ہندوستان سے واپسی پر، ان کی ٹرین جب جالندھر کے اسٹیشن پر رکی تو وہاں سے بسوں کی آوازیں سنائی دیں جو ٹانڈے جانے کے لیے تیار تھیں۔ یہ آوازیں ان کے دل کو بے چین کر گئیں کیونکہ ٹانڈہ ان کے گاؤں میانی افغاناں کے قریب تھا۔ وہ بس میں سوار ہو کر ٹانڈہ پہنچے اور وہاں سے ساڑھے تین میل کا سفر ایک سردار جی کے رکشہ پر طے کیا۔ اپنے گاؤں پہنچنے پر انھوں نے تھوڑا وقت اپنے میزبان مولک رام کے ساتھ گزارا، مگر وقت اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر جلد ہی واپسی اختیار کی۔ گاؤں کا یہ مختصر قیام ان کے ماضی کی یادوں کو تازہ کرنے کا ذریعہ بنا، لیکن اس وقت کے سیاسی حالات نے اس دورے کو جذباتی طور پر پیچیدہ بنا دیا۔ اسی سال، حبیب جالبؔ نے اپنا پہلا فلمی گیت لکھا، جو فلم "یس 56" کے لیے تھا۔ اس فلم کے ہدایتکار روپ کے شوری تھے اور موسیقار جی۔ اے۔ چشتی نے اس گیت کو ترتیب دیا۔ اس گیت کو مہدی حسن اور نذیر بیگم نے اپنی آواز میں امر کر دیا۔ گیت کے بول تھے:

یہ چاندنی یہ سائے　　پہلو میں تم ہو میرے

یہ گیت جالبؔ صاحب کی تخلیقی صلاحیتوں کا نیا پہلو سامنے لایا اور انھیں فلمی دنیا میں بھی پہچان دلائی۔ یہ واقعات ان کی زندگی میں جدوجہد، فن، اور محبت کی نمائندگی کرتے ہیں، جو ان کی شخصیت کی مکمل تصویر کو بیان کرتے ہیں۔ ۱۹۵۶ء کا سال حبیب جالبؔ کی زندگی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا، جب محرم کی ۶ تاریخ کو ان کی شادی ملتان میں چچا کی بیٹی سے ہوئی۔ یہ شادی ان کی ذاتی زندگی میں ایک نیا باب کھولنے کا باعث بنی۔ اسی سال، انھوں نے نیشنل عوامی پارٹی (NAP) میں شمولیت اختیار کی،

جس کے ساتھ وہ اپنی پوری زندگی وابستہ رہے۔ یہ وابستگی ان کے سیاسی نظریات اور سماجی جدوجہد کی عکاس تھی۔ انھوں نے ہم خیال سیاسی تنظیموں اور پارٹیوں کے ساتھ بھی بھرپور تعاون کیا، لیکن اپنی وفاداری ہمیشہ نیشنل عوامی پارٹی کے ساتھ برقرار رکھی۔

۱۹۵۷ء میں جالبؔ کی پہلی کتاب "برگِ آوارہ" مکتبہ کارواں لاہور سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب شاعری کی دنیا میں ایک مضبوط آغاز کی علامت بنی۔ کتاب کی اشاعت نے ان کے فن کو عوام تک پہنچایا اور انھیں ادبی حلقوں میں پذیرائی دلائی۔ ۱۹۵۸ء میں حبیب جالبؔ نے اپنے خاندان کے ہمراہ کراچی کو خیرباد کہہ کر لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اس تبدیلی کے پیچھے ان کی زندگی کے مختلف عوامل اور خواہشات کارفرما تھیں۔ لاہور میں قیام نے ان کی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں کو نئی جہت دی۔ ۱۹۵۹ء میں جالبؔ نے پاکستانی فلم "غالب" میں شاعر مومن خان مومن کا کردار ادا کیا۔ یہ تجربہ ان کے فن کے ایک منفرد پہلو کو سامنے لایا اور ان کی شخصیت کے مختلف رنگوں کو اجاگر کیا۔ ۱۹۶۲ء میں جنرل ایوب خان کی حکومت کے دور میں جالبؔ نے اپنے مشہور زمانہ کلام کے ذریعے ایک نئی تحریک کی بنیاد رکھی۔ ایوب خان کے نئے آئین کے خلاف ان کی آواز ایک زبردست احتجاج بن گئی۔ ان کے یہ اشعار:

رب جس کا محلات ہی میں ملے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے پلے
ایسے دستور کو
صبح بے نور کو
میں نہیں جانتا، میں نہیں مانتا (۴)

نہ صرف ایوب خان کے اقتدار کے خلاف ایک استعارہ بنے بلکہ عوامی جدوجہد اور اظہار رائے کی آزادی کی علامت بھی۔ اسی سال حکومت نے ان پر ملک سے باہر جانے پر پابندی عائد کر دی، جس نے ان کے سفر اور بین الاقوامی مشاعروں میں شرکت کے امکانات کو محدود کر دیا۔ یہ پابندیاں جالبؔ کی جدوجہد کو روکنے میں ناکام رہیں اور انھوں نے اپنے نظریات اور افکار کے ذریعے عوام کے دل جیتے۔ یہ عرصہ جالبؔ کی زندگی میں ذاتی اور سیاسی دونوں حوالوں سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی شاعری، سیاسی وابستگی، اور ذاتی تجربات ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں، جو آج بھی ان کے چاہنے والوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔

حبیب جالبؔ کہتے ہیں:

خوب آزادی صحافت ہے
نظم لکھنے پر قیامت ہے
خوف کے ذہن و دل پر سائے ہیں
کس کی عزت یہاں سلامت ہے
کبھی جمہوریت یہاں آئے
یہی جالبؔ ہماری حسرت ہے (۵)

محترمہ فاطمہ جناح نے ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات میں جنرل ایوب خان کے خلاف حصہ لیا۔ اس اہم اور تاریخی انتخابی مہم میں محترمہ کی حمایت کے لیے ملک کی پانچ مشہور شخصیات کو منتخب کیا گیا تھا، جن میں حبیب جالبؔ بھی شامل تھے۔ جالبؔ نے اس مہم کے دوران اپنی غیر معمولی شاعری اور عوامی جذبات کو ابھارنے والے نعروں کے ذریعے لوگوں کو محترمہ کے حق میں قائل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کی آواز حق و صداقت کا ترجمان بنی اور عوام نے ان کی شاعری کو تبدیلی کی امید کے طور پر دیکھا۔ تاہم، حبیب جالبؔ کی یہ سرگرمیاں حکومتی حلقوں کو ناگوار گزریں، اور انھیں انتخابی مہم سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی۔ ان پر لاہور کے ایک تاریخی مقام شیر وارث پر قاتلانہ حملے کا الزام لگایا گیا۔ اس جھوٹے الزام کے تحت انھیں گرفتار کر کے سیشن جج کی عدالت سے سات سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ لیکن لاہور ہائی کورٹ میں ان کے وکیل میاں محمود علی قصوری نے ان کا بھرپور دفاع کیا، اور ممتاز صحافی و دانشور عبداللہ ملک نے ان کے حق میں گواہی دی۔ آخرکار، عدالت نے انھیں باعزت بری کر دیا، اس واقعے سے ان کے لیے عوامی ہمدردی اور عوام میں مقبولیت مزید بڑھ گئی۔ ۱۹۶۶ء میں جالبؔ کی دوسری کتاب "سرِ مقتل" شائع ہوئی، جس نے ایک نئی تاریخ رقم کی۔ مکتبہ کارواں لاہور نے اس کتاب کو شائع کیا، اور محض ایک ماہ میں اس کے چار ایڈیشن شائع ہوئے، جو ایک غیر معمولی کامیابی تھی۔ ستمبر

سے نومبر کے درمیان کتاب کے سات ایڈیشن شائع ہوئے، لیکن حکومت نے اس کی مقبولیت سے خوفزدہ ہو کر کتاب ضبط کر لی۔ یہ کتاب جالبؔ کے انقلابی خیالات اور ان کی آزادیِ اظہار کی علامت تھی، جسے بے حد عوامی پذیرائی ملی۔ ۱۹۶۷ء میں حبیب جالبؔ کی زندگی کا ایک اور اہم واقعہ پیش آیا۔ لاہور کے وائی ایم سی اے ہال میں حمید نظامی کی برسی پر ایک جلسہ منعقد ہوا، جس کی صدارت ذوالفقار علی بھٹو کر رہے تھے، جبکہ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض شورش کاشمیری نے انجام دیے۔ اس جلسے میں جالبؔ نے اپنی نظم "چھ ستمبر" پڑھی، جو حکومت کو شدید ناگوار گزری۔ نظم کی گونج اور عوامی جذبات کے اثرات نے حکومتی حلقوں کو مزید مشتعل کیا، اور جالبؔ کو ایک بار پھر گرفتار کر لیا گیا۔ یہ واقعات حبیب جالبؔ کی جدوجہد، جبر کے خلاف ان کی آواز اور عوام کے لیے ان کی بے لوث محبت کی نمایاں مثالیں ہیں۔ ان کی شخصیت ایک انقلابی شاعر اور سچے رہنما کی عکاسی کرتی ہے، جو کسی بھی قیمت پر حق اور انصاف کے لیے کھڑا رہتا ہے۔

اس نظم میں انھوں نے حکومتی جبر اور عوام کی حالت زار پر گہری تنقید کی۔ حبیب جالبؔ کا یہ دور ایک ایسے وقت میں تھا جب پاکستان میں سیاسی بے چینی تھی اور ہر طرف طاقتور حکمرانوں کے خلاف آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ان کی شاعری، سیاسی موقف اور جرات مندانہ بیانات نے انھیں ایک ایسے رہنما کی حیثیت دے دی جس نے ہمیشہ عوام کی حمایت کی اور حکومتی جبر کے سامنے ڈٹے رہے۔ ان کی جدوجہد اور شاعری نے پاکستانی سیاست اور سماج پر گہرا اثر چھوڑا اور انھیں عوامی تحریکوں کا ایک اہم ستون بنا دیا۔ حبیب جالبؔ کی زندگی کے مختلف ادوار میں ان کی جدوجہد اور سیاسی بیانات کا اثر بہت نمایاں رہا۔ جب جنرل ایوب خان نے اقتدار جنرل یحییٰ خان کو سونپ دیا، تو جالبؔ صاحب کی جنگ جاری تھی۔ مری کے مشاعرے میں جالبؔ صاحب نے نئے حکمران کی تصویر دیکھ کر کہا:

تم سے پہلے وہ جو اک شخص یہاں تخت نشیں تھا

.یقین تھا اس کو بھی اپنے خدا ہونے پہ اتنا ہی(۶)

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جالبؔ نے پنجاب اسمبلی کی رکنیت کے لیے نیشنل عوامی پارٹی کے ٹکٹ پر حصہ لیا، انھیں ساڑھے سات سو ووٹ ملے۔ اس نتیجے پر تبصرہ کرتے ہوئے سید محمد تقی (ایڈیٹر روزنامہ جنگ) نے ٹیلی ویژن پر کہا کہ حبیب جالبؔ کا ہارنا نہایت افسوسناک ہے۔ ۱۹۷۱ء میں کسان ہال لاہور میں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے جالبؔ صاحب نے کہا، "یحییٰ خان اور نور الامین اپنے ساتھیوں سمیت ملک توڑ رہے ہیں۔ پولیس والو! میرا بیان لکھ لو کہ آج کے بعد چپ رہنا بد دیانتی اور جیل سے باہر رہنا بے غیرتی ہے۔" پھر انھوں نے یہ قطعہ پڑھا اور گرفتار ہو کر کیمپ جیل لاہور چلے گئے:

ہو محبت گولیوں سے بو رہے

وطن کا چہرہ خوں سے دھو رہے ہو

گماں تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے

یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو(۷)

۱۹۷۳ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں حزب اختلاف کی جماعتوں کی جانب سے تحریک چلائی جا رہی تھی۔ جالبؔ صاحب نے اس تحریک میں اپنی آواز بلند کی اور حکومت کے خلاف آواز اُٹھائی۔ حبیب جالبؔ کی سیاسی جدوجہد اور ان کے خلاف ہونے والی کارروائیاں ان کے عزم کو ظاہر کرتی ہیں۔ نافرمانی کے ایک پروگرام کے مطابق، پہلے گروپ نے گرفتاری پیش کی جس میں حبیب جالبؔ کے ساتھ نوابزادہ نصر اللہ خان، ملک محمد قاسم اور مذہبی جماعتوں کے تین نمائندے شامل تھے۔ یہ گرفتاری لاہور کے نکلسن روڈ پر نوابزادہ صاحب کے دفتر سے پیش کی گئی۔ ۱۹۷۶ء میں حیدر آباد سازش کیس میں جالبؔ صاحب کو گرفتار کیا گیا، اس وقت ان کے بارہ سالہ بیٹے طاہر عباس کا سوئم تھا۔ لاہور کے لطیف بٹ کی وساطت سے رانا نذر الرحمٰن اور رانا ظفر اللہ خان نے دو دو لاکھ روپے کی ضمانت پیش کی اور جالبؔ صاحب چودہ ماہ بعد ۱۹۷۸ء میں حیدر آباد جیل سے رہا ہوئے۔ ۱۹۷۸ء میں حبیب جالبؔ کی پچاسویں سالگرہ بڑے شہروں کے علاوہ قصبوں اور دیہاتوں میں منائی گئی۔ اس موقع پر دوسرے ممالک میں بھی تقریبات کا انعقاد ہوا، خاص طور پر روس میں لومبا یونیورسٹی میں ایک تقریب ہوئی۔ وہاں جالبؔ صاحب کے لیے کارل مارکس اور لینن کے مجسمے بھی بھیجے گئے۔ لاہور میں اہل قلم نے "حبیب جالبؔ: فن اور شخصیت" کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس کا ٹائٹل صادقین نے خود بنایا اور جالبؔ صاحب کے ایک قطعے کی خطاطی بھی کی۔ اس کتاب میں مختلف مشہور ادیبوں جیسے سبط حسن، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر عندلیب شادانی، اور انتظار حسین کے مضامین شامل تھے۔

۱۹۸۰ء میں جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں اکادمی ادبیات کا پہلا اجلاس اسلام آباد میں منعقد ہوا، جس میں ملک بھر کے ادیب، شاعر اور دانشور شریک ہوئے۔ اسی دن کراچی پریس کلب نے حبیب جالبؔ کو تاحیات رکنیت دی۔ جالبؔ صاحب نے اس موقع پر اپنی نظم پڑھی:

ظلمت کو ضیاء، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا
پتھر کو گہر ، دیوار کو در ، کرگس کو ہما کیا لکھنا
اک شخص کے ہاتھوں مدت سے رسوا ہے وطن دنیا بھر میں
اے دیدہ ور اس ذلت کو قسمت کا لکھا کیا لکھنا (۸)

اس اجلاس میں سید سبط حسن بھی اسٹیج پر موجود تھے، اور یہ ایک اہم لمحہ تھا جب جالبؔ نے اپنے تخلیقی جوہر کا مظاہرہ کیا۔ ۱۹۸۲ء میں لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن نے حبیب جالبؔ کو اعزازی رکنیت سے نوازا۔ اس وقت تک وہ بار کے واحد غیر وکیل رکن تھے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی ادبی اور سیاسی خدمات کا دائرہ صرف ادب تک محدود نہیں تھا بلکہ انھیں قانونی اور سیاسی حلقوں میں بھی عزت دی جاتی تھی۔ ۱۹۸۳ء میں لاہور میں خواتین کے احتجاجی جلوس میں جالبؔ صاحب بھی شریک ہوئے، جہاں پولیس نے خواتین کے ساتھ ساتھ انھیں بھی جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا۔ اس واقعے کے بعد جالبؔ صاحب نے کہا تھا:

جسم پہ جو زخموں کے نشاں ہیں اپنے
تمغے ہیں، ملی ہے ایسی داد وفا کی کہ سڑک کے بیچ (۹)

۱۹۸۷ء میں، جالبؔ صاحب کا کلام "حرف سردار" کے نام سے شائع ہوا، جس میں ان کے تمام اشعار کو ایک کتاب کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اس کتاب کا اہتمام اردو مرکز لندن نے کیا تھا، اس میں جالبؔ صاحب کے ساتھ حضرت فیض احمد فیض کا کلام بھی شامل تھا، جو دونوں شاعروں کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے دوران، وزیر داخلہ چوہدری اعتزاز احسن نے جالبؔ صاحب کا پاسپورٹ بحال کیا۔ یہ اقدام اس بات کا اشارہ تھا کہ سیاسی منظر نامے میں تبدیلی آئی تھی اور جالبؔ صاحب کی جدوجہد کو تسلیم کیا جا رہا تھا۔ ۱۹۸۹ء میں جالبؔ صاحب نے ماسکو کا دورہ کیا جہاں فارسی کے عظیم شاعر مولانا نور الدین جامی کی پانچ سو پچھترویں سالگرہ کے موقع پر نظم پڑھی۔ اس نظم کا روسی زبان میں ترجمہ معروف ادیبہ نومیلا نے پیش کیا۔ یہ واقعہ اس بات کا غماز تھا کہ جالبؔ صاحب کی شاعری کو بین الاقوامی سطح پر پذیرائی مل رہی تھی۔

جالبؔ کا کلام ہے:

جاگو کہ جاگنے سے تقدیر جاگتی ہے
اٹھو تمہاری منزل تم کو پکارتی ہے

باطل سے دب کے رہنا توہین زندگی ہے
اب دل میں آگ بھر دو اب ختم رات کر دو

اے صبح کے نشانو
الفتح کے جوانو (۱۰)

۱۹۹۱ء میں حبیب جالبؔ کی بڑی بیٹی نور افشاں کی شادی ہوئی، لیکن اس کے بعد جالبؔ صاحب کی صحت زیادہ خراب ہو گئی اور وہ اکثر لاہور اور کراچی کے ہسپتالوں میں داخل رہے۔ ان کی بیماری کا دورانیہ طویل تھا، لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی شاعری اور سیاسی مشن کو جاری رکھا۔ حبیب جالبؔ کی زندگی میں کئی اہم مراحل آئے جو ان کی شاعری اور سیاسی جدوجہد کا حصہ بنے۔ ۱۹۹۲ء میں، جالبؔ صاحب کا علاج لاہور کے سروسز ہسپتال میں جاری تھا جہاں وہ مرحوم شار عثمانی کے ساتھ ایک کمرے میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کے علاج کے دوران ہی ایک اور اہم واقعہ پیش آیا جب لیبیا نے مالی تعاون کی پیشکش کی، مگر حبیب جالبؔ نے اسے شکریے کے ساتھ رد کر دیا۔ یہ ان کے اصولوں اور سیاسی آزادی کی علامت تھی کہ وہ کسی بھی سیاسی حکومت کے زیر اثر آنا نہیں چاہتے تھے۔

اسی سال، جالبؔ صاحب کو علاج کے لیے لندن روانہ کیا گیا، جس کا انتظام روزنامہ جنگ نے کیا۔ وہ کرامویل ہسپتال لندن گئے جہاں تقریباً ایک ماہ تک علاج کرایا، مگر اس دوران ان کی کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ علاج کی راہ میں مشکلات پیش آنے لگیں۔ وہ واپس لاہور کے شیخ زید ہسپتال آئے، جہاں ان کی حالت بہتر ہونے کی بجائے اور بگڑ گئی۔ ۱۹۹۳ء میں ۱۲ اور ۱۳ مارچ کی درمیانی رات، ۶۵ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

اب رہیں چین سے بیدرد زمانے والے
سو گئے خواب سے لوگوں کو جگانے والے(۱۱)

یہ شعر ان کی زندگی کے مقصد کو بیان کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ لوگوں کے حقوق کے لیے لڑتے رہے اور ان کی شاعری نے عوام کو ظلم کے خلاف بیدار کرنے کا کام کیا۔ حبیب جالبؔ کی وفات کے بعد بھی ان کی شاعری اور سیاسی نظریات عوام کے دلوں میں زندہ ہیں، اور ان کا نام ہمیشہ ایک جرات مند، اصول پسند اور عوامی شاعر کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ حبیب جالبؔ اردو ادب کے ان شعرا میں سے ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کو عوامی حقوق، سماجی انصاف اور انقلاب کی ترجمانی کے لیے استعمال کیا۔ ان کا کلام ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت اور محروم و مظلوم عوام کی حمایت کا استعارہ بن گیا۔ حبیب جالبؔ کی شاعری ان کے زمانے کی سیاسی اور سماجی جدوجہد کی تصویر کشی کرتی ہے، جس میں انھوں نے طاقتور طبقوں کی زیادتیوں اور عوام کی حالتِ زار کو موضوع بنایا۔ انھوں نے آمریت کے خلاف اپنی آواز بلند کی اور ہر اس نظام کی مخالفت کی جو عوام کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھتا تھا۔ ان کے اشعار میں سادگی، روانی، اور بے باکی کا امتزاج ملتا ہے، جو براہِ راست عوام کے دلوں تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ وہ صرف ایک شاعر نہیں تھے بلکہ ایک عملی انقلابی تھے جنھوں نے اپنی زندگی جبر کے خلاف جدوجہد میں گزار دی۔ ان کے اشعار جیسے

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے اور ظلم رہے اور امن بھی ہو عام آدمی کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں اور انھیں اپنے حقوق کے لیے کھڑے ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ حبیب جالبؔ نے اپنی شاعری میں کبھی بھی مصلحت کا سہارا نہیں لیا اور ہمیشہ سچائی کا ساتھ دیا، چاہے اس کی قیمت انھیں جیل کی صورت میں ہی کیوں نہ چکانی پڑی۔ ان کی شاعری صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک نظریہ ہے، جو ظلم کے خلاف ڈٹ جانے اور حق کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ حبیب جالبؔ کا کلام آج بھی ہر اس معاشرے کے لیے مشعلِ راہ ہے جہاں ظلم اور جبر کا نظام قائم ہے۔

احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

" اس دور میں صرف جالبؔ ہی ایک شاعر ہے جس نے چھپ چھپا کر نہیں بلکہ دن کی روشنی میں اور ساری دنیا کے سامنے ان ممنوعہ زمینوں کا رخ کیا اور ان میں حق و صداقت اور حوصلہ و جرات کی ایسی فصلیں کاشت کیں کہ خود اس کے حصے میں تو قید و بند کی صعوبتیں آئیں مگر اس نے آنے والی نسلوں کے لئے سچ بولنا آسان بنا دیا۔ اس کے سیاسی رجحانات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ بعض شخصیات کی تنقید سے سبھی اس کے ساتھ متفق ہوں مگر یہ طے ہے کہ اس نے جو کچھ بھی کہا حیرت انگیز حوصلے اور خلوص کے ساتھ کہا یہ حوصلہ اسے صداقت کے اعتماد نے بھی دیا اور ملک کے ان عوام کی حمایت نے بھی جن کی محرومیاں اور جن کے بنیادی حقوق کی پامالی جالبؔ کی شاعری کا موضوع بنی اور اس نے اتنی مقبولیت حاصل کی کہ وہ اپنی زندگی میں ہی لیجنڈ بن گیا۔" (۱۲)

جالبؔ نے غزل کے ذریعے روایتی موضوعات کو ترک کرتے ہوئے حقیقی زندگی کے مسائل پر روشنی ڈالی۔ ان کی نظر ہمیشہ بیرونی دنیا کے مسائل پر مرکوز رہی، جہاں لوگوں کی آنکھوں میں ظلم و ستم کے خلاف احتجاج کی جھلک تو نظر آتی تھی، مگر وہ اپنی بے بسی کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کر سکتے تھے۔ ایسے حالات میں حبیب جالبؔ نے خود سے جنگ لڑی اور اس وقت کے ادبی حلقوں کے چند نمایاں افراد کے برعکس اپنی خودداری اور تنہائی کو رہنما بنایا۔

اپنی رہنمائی میں کی ہے زندگی ہم نے ساتھ کون تھا پہلے، ہو گئے جو اب تنہا(۱۳)

یہ اشعار ان کی خود اعتمادی اور منفرد راہ اختیار کرنے کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ اپنے گرد و پیش کے مصنوعی سیاسی ماحول کو بدلنے کے لیے کوشش کرتے رہے، تاکہ ایک ایسی حقیقی اور صحت مند تبدیلی ممکن ہو سکے جو معاشرے میں مثبت اقدار کو فروغ دے۔ انھوں نے وطن کو کسی محبوبہ کے طور پر پیش کرنے کی روایت سے اجتناب کیا، جو اکثر ترقی پسند شاعری کا خاصہ تھی۔ غزل کے بجائے نظم کے ذریعے اپنے جذبات کو شدت کے ساتھ پیش کیا۔ یہی وجہ تھی کہ حبیب جالبؔ کی داخلی جدوجہد واضح طور پر بیرونی حقائق کی صورت اختیار کر گئی۔ وہ جذبات اور مشاہدات جو پہلے غزل کی دھیمی کیفیت میں چھپے ہوتے تھے، اب واضح اور بلند آواز میں بیان ہونے لگے۔ ان کی شاعری میں خطابت نے جگہ لی اور گل و بلبل کے نغمے انقلابی ترانے بن گئے۔ قارئین، جو پہلے ان کی شاعری کے احساسات کو فاصلے سے محسوس کرتے تھے، اب ان کے خیالات کے قریب آ گئے۔

انور سدید رقم طراز ہیں:

" اس دور میں حبیب جالبؔ کا سیاسی شعور بیدار تھا اور ان کی متجسس روح انھیں مجبور کر رہی تھی کہ وہ موجود سیاسی حقیقت کے مصنوعی خول کو توڑ کر کسی ایسی صحت مند تبدیلی کو روبہ عمل لائیں جس سے صادق اقدار کی راہ ہموار اور پاکستانی معاشرہ جسے ارباب سیاست کی سال خوردہ ذہنیت نے زنگ آلود کر دیا تھا ترقی کی طرف صحت مند قدم اٹھا سکے۔" (۱۴)

اس مہم میں حبیب جالبؔ نے اپنی شاعری کی لطافت اور الفاظ کی نزاکت کو قربان کیا، مگر یہ ایک شعوری فیصلہ تھا۔ ان کی تخلیقات، جو گرد و پیش کے جبر اور بے حسی کے خلاف ایک موثر آواز تھیں، ان کے سیاسی شعور اور معاشرتی ذمہ داری کا واضح اظہار ہیں۔

حبیب جالبؔ کہتے ہیں:

تیرگی کے تاجروں سے پاک یہ جہاں کرو
بیچتے ہیں یہ جو زہر ان کو بے نشان کرو
اس خموش کشت و خوں کی ختم داستاں کرو
چہرہ حیات پر یونہی نکھار آئے گا
بے حسی و بے کسی کا دور بیت جائے گا(۱۵)

یہ اشعار ان کی بدلتی ہوئی تخلیقی راہوں اور شعوری تبدیلی کا اظہار ہیں۔ حبیب جالبؔ نے ان مشکلات کی کبھی پروا نہیں کی جو ان کے راستے میں آئیں، اور نہ ہی ان سے کسی صلے کی توقع رکھی۔ ان کی شاعری میں انقلاب کے کھوکھلے نعرے نہیں تھے، بلکہ وہ حقیقی معنوں میں شاعر کے انقلابی کردار پر یقین رکھتے تھے۔

حبیب جالبؔ کی شخصیت اور شاعری میں ایک منفرد انداز اور گہری بصیرت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ ان کی زندگی کے سفر میں بے شمار مشکلات آئیں، لیکن انھوں نے ان مشکلات کو اپنی منزل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ وہ نہ تو ان مسائل کو اہمیت دیتے تھے اور نہ ہی ان کا کوئی صلہ طلب کرتے تھے۔ ان کا طرز عمل جارحانہ یا شدت پسندی پر مبنی نہیں تھا۔ انھوں نے کبھی بھی معاشرتی ظلم و جبر کا مقابلہ کرنے کے لیے خون خرابہ، آتش زنی یا دیگر پر تشدد طریقے اختیار کرنے کی تلقین نہیں کی۔ حبیب جالبؔ کا یقین تھا کہ شاعر کا کردار صرف انقلاب کا پیغام دینے تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ شاعر کو معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں بھی بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔ وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ شاعر کو زندگی اور حسن میں توازن پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ذمہ دار شہری کے طور پر اس توازن کی حفاظت بھی کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ظلم کے خلاف عوام کو صف آرا کرنے کے بجائے خود اپنی ذات کو جبر کے خلاف ڈھال بنایا۔

صرف چند لوگوں نے
حق تمہارا چھینا ہے
خاک ایسے جینے پر
یہ بھی کوئی جینا ہے
ہاتھ میں علم لے کر
تم نہ اٹھ سکو لوگو
کب تلک یہ خاموشی
چلتے پھرتے زندانو
دس کروڑ انسانو!(۱۶)

حبیب جالبؔ کا اندازِ احتجاج منفرد اور بے مثال تھا۔ انھوں نے عوام کو گولیوں کے سامنے کھڑا ہونے کی نصیحت نہیں کی، بلکہ اپنے کندھوں پر ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت کی صلیب اٹھائی۔ انھوں نے اپنے وقت کے فرعونوں کے خلاف حق گوئی کی پہلی مضبوط آواز بلند کی اور اپنے قلم کے ذریعے معاشرتی اندھیروں میں روشنی پھیلانے کا بیڑہ اٹھایا۔ حبیب جالبؔ کی سیاسی نظمیں ان کے دور کی جیتی جاگتی حقیقتوں کا بے باک اظہار ہیں۔ وہ نظمیں جن میں ان کی سیاسی بصیرت اور سماجی شعور کی جھلک ملتی ہے، وہ صرف کسی خاص پس منظر کی پیداوار نہیں بلکہ ان کے مشاہدات اور تجربات کا نتیجہ ہیں۔ ان کی ان نظموں میں، معروضی انداز اختیار کرنے کے باوجود، شاعری کی مخصوص دلکش زبان کا استعمال کیا گیا ہے، جو ان کے فن کی پختگی کا مظہر ہے۔

جالبؔ کہتے ہیں:

آج حکومت کے در پر
ہر شاہین کا سر خم ہے

درس خودی دینے والوں کو
بھول گئی اقبال کی یاد
صدر ایوب زندہ باد(۱۷)

جالبؔ کی انقلابی شاعری اپنے دور کے سیاسی اور سماجی حالات کی جیتی جاگتی عکاس ہے۔ ان کی شاعری محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ظلم واستحصال کے خلاف ایک موثر احتجاج ہے، جو عوام کے دلوں میں بیداری اور شعور کی شمع روشن کرتی ہے۔ جالبؔ نے اپنی شاعری کے ذریعے نہ صرف حکمران طبقے کی زیادتیوں اور ناانصافیوں کو بے نقاب کیا بلکہ عوام کو ان کے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کی ترغیب دی۔ ان کے اشعار میں جدوجہد کی ایسی توانائی اور حوصلہ دکھائی دیتا ہے، جو قارئین کو انقلابی سوچ کی طرف مائل کرتا ہے۔ ان کی شاعری میں گہری سادگی، جرات مندی، اور بے خوفی کا امتزاج ہے، جس نے انھیں عوام کے جذبات کا ترجمان بنا دیا۔ ان کی انقلابی نظمیں ان کی حق گوئی اور عوامی مسائل پر ان کے غیر معمولی شعور کی آئینہ دار ہیں، جنھوں نے عوام کو ظلم اور جبر کے خلاف صف آرا ہونے کا درس دیا اور ایک ایسی آواز بلند کی جو آج بھی سیاسی اور سماجی تبدیلی کے خواہاں لوگوں کے دلوں میں گونجتی ہے۔

انور سدید کے بقول:

" حبیب جالبؔ نے عوامی لہجہ اختیار کیا۔ شعر کے باطن سے نغمگی کو ابھارا، رواں دواں بحروں کو ٹکڑوں میں بانٹا، ردیف قافیہ کی آہنگ سے سرور نغمہ بیدار کیا اور حقیقت کے جراحت کو موثر بنانے کے لئے طنز کے اسالیب کو اس فنکارانہ خوبی سے استعمال کیا کہ اس سے عوامی شعور نہ صرف متاثر ہوا بلکہ تبدیلی کو روبہ عمل لانے کے لئے تیار بھی ہو گیا۔ یہ اہم فریضہ مصلح اور ترقی پسند دونوں ادا کر سکتے تھے لیکن ان دونوں نے مصلحت وقت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور لبوں پر خاموش اختیار طاری کر لی۔ لیکن حبیب جالبؔ جنہیں سقراط کا انجام اچھی طرح معلوم تھا اس صورت میں حالات کے ساتھ مفاہمت نہ کر سکے۔ انھوں نے اپنی صریری غزل کا ریشمی ملبوس چاک کیا اور میدان عمل میں آکر اس فرض کو تیشہ عمل سے یوں ادا کیا کہ ان کی شاعری انقلابی حقیقت سے ہم آہنگ ہو گئی۔" (۱۸)

انھوں نے ہر دور کی حکومت کے خلاف عوام کے حق کے لیے اپنی شاعری کو ہتھیار بنایا۔ جنرل ایوب خان سے جنرل ضیا الحق تک ان کی آواز کو دبانے کی بہت کوشش کی گئی، لیکن وہ ہمیشہ حق کے لیے ڈٹ کر کھڑے رہے۔ ان کی شاعری ظلم و استبداد کے خلاف اور انسانی آزادی کی حمایت میں تھی۔ اور عوامی دکھ درد کی ترجمان تھی، اور یہی ان کی مقبولیت کی بڑی وجہ ہے۔ ہر حکومت نے لالچ دیا کہ وہ اپنا ضمیر بیچ دیں اور طاقتوروں کا ساتھ دیں، لیکن انھوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ انقلاب، لوٹ کھسوٹ، اور عوام کی طاقت پر نظمیں لکھتے رہے۔ وہ بے باک اور نڈر شاعر تھے، کبھی کسی طاقت کے آگے سر نہیں جھکایا۔

سبط حسن لکھتے ہیں:

" ان کی شاعری شکست دل کی صدا بھی ہے اور سوز یقین کی للکار بھی۔ وہ دل توڑنے والوں کی ثروت واقتدار سے کبھی نہیں ڈرے بلکہ اندھیرے کے پجاریوں نے شب خون مارنے کے بعد جو نقاب بھی اوڑھی حبیب جالبؔ نے اس کو نوچ کر پھینک دیا۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اس درویش خاک نشیں میں جرات افکار کہاں سے آئی۔ وہ کون سی قوت ہے جو اس نیک دل اور نرم خو انسان کو باطل سے لڑنے اور حق کا اقرار کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ در حقیقت وہ قوت عوام کی محبت ہے اور وہ چشمہ حیواں جو حبیب جالبؔ کو ولولہ اور جوش عطا کرتا ہے عوام کی طاقت ہے۔ حبیب جالبؔ نے اپنی شخصیت اور شاعری کو عوام کی خاطر وقف کر دیا ہے۔" (۱۹)

جالبؔ اپنی شاعری میں عوامی جذبات کے ترجمان رہے اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے مفادات کے بجائے کسانوں اور مزدوروں کے حقوق کی بات کی۔ ان کے یہ اشعار ان کی انقلابی سوچ کی عکاسی کرتے ہیں:

کھیت وڈیروں سے لے لو
ملیں لٹیروں سے لے لو
ملک اندھیروں سے لے لو
رہے نہ کوئی عالی جاہ
پاکستان کا مطلب کیا
لا الہ الا اللہ (۲۰)

حبیب جالبؔ نے ادب اور سیاست دونوں میں اپنے کردار کو خلوص اور جرات کے ساتھ نبھایا۔ ان کے جلسے سیاسی تنقید کے ساتھ محبت اور نرمی کا مظہر ہوتے تھے۔ ان کی انقلابی شاعری نے نہ صرف عوام کو متاثر کیا بلکہ حکمرانوں تک بھی ان کی گونج پہنچی۔ ایوب خان جیسے حکمران بھی ان کی شاعری کے سحر سے بچ نہ سکے اور ایک موقع پر کہا:

"مجھے حبیب جالبؔ سے ملاؤ! میں وہ نظمیں سننا چاہتا ہوں جو اس نے میرے اور میری حکومت کے خلاف کہی ہیں۔" (۲۱)

عبادت بریلوی رقم طراز ہیں:

" حبیب جالبؔ نظریئے کا شاعر ہے۔ اس لئے کہ وہ نظریے کا انسان ہے۔ زندگی کی قدریں اسے بے حد عزیز ہیں۔ وہ بے قاعدگی، ظلم، ناانصافی، تعیش پسندی، اخلاقی پستی، سماجی ناہمواری کا دشمن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی کے سفر میں ہر اس شخص کے ساتھ ہو جاتا ہے جو ان قدروں کو ساتھ لے کر ملتا ہے۔ لیکن جہاں ان قدروں سے اس کا دامن چھوٹتا ہے، حبیب جالبؔ اس سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ اور اپنے فکر و فن کے نشتروں سے اس کو ادھیڑ دیتا ہے۔" (۲۲)

جالبؔ کی انقلابی شاعری پاکستان کی سیاسی اور سماجی تاریخ میں ایک لازوال حیثیت رکھتی ہے۔ وہ مظلوم عوام کی آواز بنے اور اپنی شاعری کے ذریعے جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور ظالم حکمرانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ جالبؔ کی شاعری نہ صرف حکمرانوں کے جبر و استبداد کے خلاف تھی بلکہ یہ عوام کو ان کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے کی ترغیب بھی دیتی تھی۔ ان کے اشعار سادگی، روانی اور عوامی زبان میں ڈھلے ہوئے تھے، جنھوں نے عام آدمی کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑا۔ وہ انقلابی نظریات کے داعی تھے اور ان کی شاعری ظلم، ناانصافی اور استحصال کے خلاف جدوجہد کا منشور تھی۔ جالبؔ نے ہمیشہ حق اور سچ کا ساتھ دیا اور کبھی کسی طاقت یا لالچ کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ ان کے یہ اشعار ان کی انقلابی سوچ کا مظہر ہیں:

خون سے میرے بنے ہیں وسیع و عریض گھر
یہ جرم ہے مرا کہ مجھے ہو گئی خبر
یہ آگہی ہوئی تو حسیں مفلسی لگی
ڈھلتے ہیں کس طرح سے زمانے میں اہل زر
ہر دور میں رہے ہیں مسلط سفید خون
ہر دور میں رہے ہیں تہی دست چشم تر
جو چیز مل سکے نہ، عبث اس کی آرزو
جو بچ رہا ہے جان، اسی کا بچاؤ کر
اے ہمدم عظیم وہ خرچ اپنا کیوں گھٹائیں
شاہان وقت پر کہاں مہنگائی کا اثر (۲۳)

حبیب جالبؔ کی شاعری ایک ایسا آئینہ تھی جس میں سماج کی ناہمواریاں اور حکمرانوں کا جبر واضح دکھائی دیتا تھا، اور ان کی شاعری آج بھی ظلم کے خلاف جدوجہد کی علامت سمجھی جاتی ہے انھوں نے اپنے عہد کی شاعری میں جو کردار ادا کیا، وہ ان کے منفرد تخلیقی شعور کی عکاسی کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حبیب جالبؔ، کلیات حبیب جالبؔ، (خالد شریف، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۲۸
۲۔ حبیب جالبؔ، غزل مشمولہ، رسالہ فنون، احمد ندیم قاسمی، جلد دوم (لاہور: انارکلی بازار)، ص ۹۴۳
۳۔ حبیب جالبؔ، اردو ویب.کام، ۱۵ مارچ ۲۰۱۰ء
۴۔ حبیب جالبؔ، کلیات حبیب جالبؔ، ص ۱۲۹
۵۔ ایضاً، ص ۴۲۹
۶۔ ایضاً، ص ۱۵۳
۷۔ ایضاً، ص ۳۴۸

۸۔ ایضاً، ص۱۸۱

۹۔ ایضاً، ص۳۵۳

۱۰۔ ایضاً، ص۴۴۳

۱۱۔ ایضاً، ص

۱۲۔ سعید پرویز، حبیب جالبؔ: شخصیت اور فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء)، ص۲۵

۱۳۔ احمد ندیم قاسمی، جالبؔ کی انفرادیت، مشمولہ، حبیب جالبؔ: شخصیت اور شاعری، عالمی اردو ادب: حبیب جالبؔ نمبر، (دہلی: پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزرز ۴ کرشن نگر، ۱۹۹۴ء)، ص۱۶

۱۴۔ حبیب جالبؔ، کلیات حبیب جالبؔ، ص۴۱۸

۱۵۔ انور سدید، انقلابی حقیقت کی ایک مثال۔ جالبؔ، مشمولہ حبیب جالبؔ شخصیت اور شاعری، ص۲۲

۱۶۔ حبیب جالبؔ، کلیات حبیب جالبؔ، ص۴۴۰

۱۷۔ ایضاً، ص۱۳۱

۱۸۔ ایضاً، ص۱۳۸

۱۹۔ حبیب جالبؔ، کلیات حبیب جالبؔ، ص۳۵۷

۲۰۔ سبط حسن، سچا عوامی شاعر، مشمولہ حبیب جالبؔ شخصیت اور شاعری، ص۳۸

۲۱۔ حبیب جالبؔ، کلیات حبیب جالبؔ، ص۱۱۹

۲۲۔ شاہد شیدائی، ربرد، مشمولہ، حبیب جالبؔ شخصیت اور شاعری، ص۵۲

۲۳۔ عبادت بریلوی، نظریے کا شاعر، مشمولہ، حبیب جالبؔ شخصیت اور شاعری، ص۵۵